وفیات

بیادِ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی مرحوم

راشد شیخ ☆

فارسی اور اردو کے نامور محقق اور استاد، کئی علمی کتابوں کے مصنف، مولف و مرتّب، کامیاب خاکہ نگار، لغت نگار اور شاعر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی مورخہ ۱۲ر جون ۲۰۲۰ء کو شیخو پورہ میں وفات پا گئے۔ وہ نامور محقق بلکہ بقول رشید حسن خاں اردو تحقیق کے معلّمِ اوّل حافظ محمود شیرانی کے پوتے اور معروف شاعر اختر شیرانی کے صاحب زادے تھے۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی علمی خدمات سے واقف یہی کہتے تھے کہ وہ اپنے دادا کے صحیح جانشین اور ان کی علمی وراثت کے امین تھے یعنی عربی محاورہ اَلْــوَلَـدُ سِرٌّ لِاَبِیہِ (بیٹا اپنے باپ کا راز دار ہوتا ہے) تبدیل ہو کر اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِجَدِّہِ ہو چکا تھا۔ شیرانی صاحب ان با کمال انسانوں میں شامل تھے جو جب تک جیتے ہیں اپنی شفقت، محبت، ہمدردی، دل سوزی اور جذبہء خیر خواہی سے دلوں میں گھر کر لیتے ہیں اور جب اپنی عمرِ طبیعی پوری کر کے اس جہان سے کوچ کرتے ہیں تو ایسا خلا چھوڑ جاتے ہیں جو کسی صورت پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔ راقم سطور بھی ان خوش قسمت انسانوں میں شامل ہے جنھیں گزشتہ ۲۵ برسوں کے دوران شیرانی صاحب سے نہ صرف ملاقاتوں کا شرف حاصل رہا بلکہ ان کی وسعتِ قلبی، جذبہء خیر خواہی اور علمی فیض رسانی سے فیضیاب ہونے کے بار بار مواقع حاصل ہوئے۔

جب سے شیرانی صاحب کے انتقال کی خبر سنی ہے، میر تقی میر کی یہ رباعی بار بار حافظے کی لوح پر نمودار ہو رہی ہے:

ملیے اس شخص سے جو آدم ہووے
ناز اس کو کمال پر بہت کم ہووے
ہو گرمِ سخن تو گرد آوے یک خلق
خاموش رہے تو ایک عالَم ہووے

شاید اس رباعی کے یاد آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ابتدائی تین مصرعوں میں میر تقی میر نے جن انسانی خوبیوں کا ذکر کیا وہ بہ تمام و کمال شیرانی صاحب کی شخصیت میں موجود تھیں۔ چوتھے مصرعے سے متعلق ہم اس وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے انہیں کبھی خاموش دیکھا ہی نہیں بلکہ جب بھی دیکھا، وہ گل افشانیِ گفتار کرتے ہی نظر آئے خواہ شخصی ملاقاتیں ہوں خواہ فون پر

☆ راشد شیخ، ملیر کراچی۔

گفتگو ہو۔ دورانِ گفتگو وہ کوئی نہ کوئی دلچسپ جملہ زبان سے ادا کرتے جس سے نہ صرف وہ لطف لیتے بلکہ سامعین بھی۔ یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے ہم ایسے چند جملے نقل کرتے ہیں:

ضعیف العمری کی وجہ سے عموماً حافظہ کمزور ہو جاتا ہے لیکن شیرانی صاحب سے گزشتہ کچھ عرصے کے دوران جب بھی گفتگو ہوتی تو وہ فرماتے کہ اب میرا حافظہ مجھے خدا حافظ کہہ رہا ہے۔ اسی طرح جب راقم کی گزشتہ رمضان المبارک سے قبل فون پر گفتگو ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ اب میری سماعت اس مرحلے میں داخل ہو گئی ہے کہ میں غالب کی طرح کہہ سکتا ہوں: بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات۔ شیرانی صاحب ایک مرتبہ جب کراچی تشریف لائے تو حکیم محمود احمد برکاتی مرحوم نے ان کو ناشتے پر مدعو کیا اور راقم سطور کو بھی بذریعہء فون دعوت دی۔ اس محفل میں ٹونک سے تعلق رکھنے والے کئی بزرگ تشریف لائے تھے۔ وہاں جب شیرانی صاحب تشریف لائے تو آتے ہی وہ رونقِ محفل بن گئے اور ٹونک اور اہلِ ٹونک سے متعلق دلچسپ گفتگو کا آغاز کر دیا۔ کچھ دیر بعد انھوں نے راقم کی جانب غور سے دیکھا اور فرمایا: معاف کیجیے میں آپ کو پہچان نہ سکا۔ اس جملے پر راقم کو ذرا حیرت ہوئی کیونکہ ہماری ملاقات کے درمیان کئی برس کا وقفہ آ چکا تھا لیکن فون پر اکثر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ جب راقم نے نام بتایا تو بلند آواز میں فرمایا: اخاہ، تو یہ آپ ہیں، معاف کیجیے میں آپ کو پہچان نہ سکا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ہماری آپ سے گزشتہ ملاقات ہوئی تھی تو آپ کی داڑھی نا قابلِ گرفت تھی اور اب قابلِ گرفت ہو گئی ہے، دیکھیے میری داڑھی ابھی تک نا قابلِ گرفت ہے۔ یہ اور اسی طرح کے دلچسپ جملے ان کی گفتگو کا حصہ ہوتے تھے۔ بعض اوقات یوں لگتا کہ مشفق خواجہ مرحوم کی طرح شیرانی صاحب نے بھی زندگی کے آلام اور مصائب و مسائل کا علاج مزاح میں ڈھونڈا ہے اور یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ان مصائب کا اثر لینے اور ان پر توجہ دینے کی بجائے خوش مزاجی اور خوش گفتاری سے ان کا علاج کیا جائے اور اپنے قیمتی وقت کو علمی اور تحقیقی کاموں میں صرف کیا جائے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ مزاح میں تہذیب اور شائستگی کا دامن کبھی نہ چھوڑتے تھے کیونکہ وہ مزاح اور پھکڑ پن کے باریک فرق سے بخوبی آگاہ تھے۔ دراصل شیرانی صاحب ان بزرگوں میں شامل تھے جو پہلی ملاقات ہی میں اپنے خلوص، شفقت، محبت اور جذبہء خیر خواہی سے مخاطب کے دل میں گھر کر لیتے ہیں اور جب تک زندہ رہتے ہیں ہر قیمت پر تعلقات نبھاتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب تعلقات کی بنیاد غرض کے بجائے خلوص پر مبنی ہو تو وہ وقت گزرنے سے نہ صرف مضبوط ہوتے ہیں بلکہ استوار بھی۔

تقریباً ۲۵ برس قبل بزمِ اقبال لاہور کے دفتر میں راقم کی شیرانی صاحب سے اوّلین ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت شیرانی صاحب کی معیّت میں ان کے ایک شاگرد بھی موجود تھے لیکن شاگرد صاحب تو مسلسل گم صم بیٹھے رہے اور شیرانی صاحب مسلسل گل افشانیِ گفتار کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اس اوّلین ملاقات کے بعد سے ان کے انتقال تک جیسے جیسے وقت گزرتا رہا تعلقات میں استواری آتی گئی۔ وہ جب بھی کراچی تشریف لاتے ان سے طویل ملاقاتیں ہوتیں اور مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ یا اس سے زائد بھی فون پر گفتگو ہوتی۔ اس عرصے میں راقم نے جب بھی کسی قسم کی علمی معاونت کی درخواست کی، شیرانی صاحب نے کبھی مایوس نہ کیا، راقم کو خواہ کوئی نادر کتاب درکار ہوتی، رسالے کی ضرورت ہوتی یا کسی مضمون کی، وہ ذاتی کوشش یا اپنے وسیع

تعلقات کوکام میں لاکر یہ فرمائش ضرور پوری کرتے۔ دراصل وہ مخلصانہ تعلقات کواس سطح تک لے آئے تھے کہ کبھی ذہن میں یہ خیال بھی نہ آیا کہ وہ علمی معاونت سے پہلوتہی کریں گے یا معذرت کردیں گے یا ٹال دیں گے بلکہ ہمیشہ یہ یقین ہوتا کہ وہ ضرور بھرپور کوشش کریں گے اور مطلوبہ چیز فراہم کرکے ہی دم لیں گے۔ لطف یہ کہ جب بھی مطلوبہ چیز کےحصول کے بعد راقم بذریعہ فون شکریہ ادا کرتا تو ان کا ردّعمل کچھ اس قسم کا ہوتا جیسے انھوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ باہمی تعلقات میں خلوص ومحبت کی یہ سطح شیرانی صاحب کے علاوہ کسی اور شخصیت میں نظر نہ آئی۔ اسی طرح جب انہیں کسی کتاب یا مضمون کی ضرورت ہوئی تو عاجز کو لکھتے اور راقم فراہم کرتا تو بذریعہ خط بڑی ممنونیت کا مظاہرہ کرتے۔ اسی طرح عاجز کی جب کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو ان کی خدمت میں ضرور روانہ کرتا۔ اس کے بعد وہ بذریعہ خط کچھ اس طرح شکریہ ادا کرتے اور حوصلہ افزا کلمات تحریر فرماتے کہ راقم شرمندہ ہوجاتا ۔شیرانی صاحب کی محبتوں اور شفقتوں کی حد یہیں تک نہیں تھی بلکہ اس عرصے میں جب بھی ان کی کوئی نئی کتاب شائع ہوتی وہ بذریعہ ڈاک کتاب کانسخہ اپنے محبت آمیز کلمات تحریر فرما کر ضرور ارسال فرماتے۔ ان سے اس عرصے میں رشتہءِ مکاتبت بھی قائم رہا چناں چہ تلاش کرنے کے بعد علم ہوا کہ راقم کے ذخیرۂ مکاتیب میں ان کے ۱۰۰ خطوط محفوظ ہیں۔

شیرانی صاحب گو، اردو اور فارسی کے نامور محقق تھے اور انہوں نے اپنے نامور دادا حافظ محمود خان شیرانی کے قلمی آثار کی جمع آوری، ترتیب و اشاعت میں زندگی کے ۴۰ سال صرف کیے اور دادا پر ہی Ph.D کا مقالہ بھی لکھا لیکن ان کو زیادہ شہرت بحیثیت کامیاب خاکہ نگار کے ملی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ہمارے ہاں علمی اور تحقیقی کاموں کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جن کے وہ حق دار ہیں۔ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی کی ۱۰ جلدوں میں جو علمی جواہر انہوں نے محفوظ کرلیے ان کے بارے میں نامور محقق مشفق خواجہ مرحوم نے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر کسی کو یہ معلوم کرنا ہو کہ علم کسے کہتے ہیں تو وہ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی کا مطالعہ کرے۔ مشفق خواجہ مرحوم شیرانی صاحب کی خاکہ نگاری کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے چناں چہ اس بارے میں انہوں نے ایک خط میں شیرانی صاحب کو لکھا تھا:

> ''حقیقت یہ ہے کہ شخصیت نگاری کا جو اسلوب آپ کے ہاں ملتا ہے وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ آپ اپنی یادوں کو اس طرح تازہ کرتے ہیں کہ متعلقہ شخصیت کے خدوخال روشن ہوتے جاتے ہیں اور مضمون کے خاتمے پر محسوس ہوتا ہے کہ اس شخصیت کو تو ہم بھی بہت قریب سے جانتے ہیں۔''[۱]

شیرانی صاحب کے خاکوں کے اب تک دو مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ پہلا مجموعہ ''کہاں سے لاؤں انہیں'' [۲] ہے جس میں اختر شیرانی، مولانا سید محمد یعقوب حسن، پروفیسر حمید احمد خان، سید وزیرالحسن عابدی، حکیم نیّر واسطی، اکرام حسن خان، ڈاکٹر ضیا الدین دیسائی، مشفق خواجہ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، رشید حسن خان اور احمد ندیم قاسمی کے نہایت دلچسپ خاکے موجود ہیں۔ ان تمام خاکوں میں راقم کو حکیم نیّر واسطی کا خاکہ سب سے زیادہ پسند آیا تھا جو سب سے پہلے ماہنامہ قومی زبان کراچی میں شائع ہوا۔[۳] ایک مرتبہ حکیم سیّد محمود احمد برکاتی شہید سے راقم نے جب شیرانی صاحب کے لکھے خاکوں کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی اس خاکے کو ان کا بہترین خاکہ قرار دیا تھا۔ خاکہ نگاری کے موضوع پر شیرانی صاحب کی دوسری کتاب ''بے نشانوں کا نشاں'' ہے

جس میں کل نو خاکے ہیں۔[۴] یہ تمام خاکے ان انسانوں کے ہیں جو غیر معروف لیکن انسانی خوبیوں کے حامل تھے۔شیرانی صاحب نے اپنے قلم سے یہ خاکے لکھ کر ان غیر معروف انسانوں کو معروف بنا دیا۔

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی ایک انتھک عالم اور محقق تھے۔ وہ ۹/اکتوبر ۱۹۳۵ء کو شیرانی آباد (جودھپور۔ راجپوتانہ) میں پیدا ہوئے۔تقسیم کے بعد وہ کچھ عرصے لاڑکانہ رہے، بعد ازاں شیخو پورہ منتقل ہو گئے۔انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے تاریخ اور ایم۔اے فارسی کی ڈگریاں حاصل کیں۔وہ فارسی زبان وادب کے بے مثل عالم پروفیسر سیّد وزیر الحسن عابدی کے نامور تلامذہ میں شامل تھے۔ملازمت کی ابتدا میں وہ کچھ عرصہ مظفر گڑھ میں رہے اور ۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۵ء تک گورنمنٹ کالج مظفر گڑھ، گورنمنٹ کالج لاہور اور گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج شیخو پورہ میں بطور استاد زبانِ فارسی خدمات انجام دیں۔شیرانی صاحب کا مستقل قیام شیخو پورہ میں تھا اور وہیں مختصر علالت کے بعد ۱۲/جون ۲۰۲۰ء کو وہ راہی ملک عدم ہو گئے۔علم اور اہل علم کے ساتھ ہمارے اجتماعی رویے کے حوالے سے جو افسوس ناک صورت حال ہو چکی ہے اس کی بنا پر بہت کم لوگوں کو احساس ہوگا کہ شیرانی صاحب کا انتقال محض ایک فردِ واحد کا انتقال نہیں بلکہ تقریباً سوا سو سالہ علمی و ادبی روایت کا خاتمہ بھی ہے۔شیرانی صاحب کے نامور دادا حافظ محمود خان شیرانی ۱۸۹۷ء میں بحثیت طالب علم ٹونک سے لاہور تشریف لائے تھے۔اس کے بعد انھوں نے ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۰ء تک بحثیت استاد فارسی پہلے اسلامیہ کالج لاہور اور بعد ازاں اورینٹل کالج لاہور میں خدمات انجام دیں۔ریٹائر منٹ کے بعد ۱۹۴۰ء میں وہ ٹونک تشریف لے گئے جہاں ۱۵/فروری ۱۹۴۶ء کو ان کا انتقال ہوا۔[۵] شیرانی صاحب کے والد اختر شیرانی اردو کے نامور شاعر تھے اور گو وہ اردو ادب میں شاعرِ رومان کے طور پر معروف ہیں لیکن شیرانی صاحب کی عنایت سے جب اختر صاحب کی کہی نعتیں راقم نے پڑھیں تو خوش گوار حیرت ہوئی۔ان نعتوں میں احترام اور جذبے کی گہرائی اور اس پر شاعرانہ خوبیوں نے انھیں اردو کی بہترین نعتوں میں شامل کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔اسی طرح اختر شیرانی کی نظم ''او دیس سے آنے والے بتا'' بچپن میں، قیامِ حیدر آباد کے دوران، ایک بزرگ کی زبانی سنی تھی اور اس کا کچھ حصہ حافظے میں محفوظ ہو گیا تھا۔بعد ازاں شیرانی صاحب کی عنایت سے مکمل نظم کی کاپی حاصل ہوئی اور بچپن میں سنی ہوئی اس نظم کو پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔یہ نظم وطن سے دور ایک ایسے شخص کے دل کی آواز ہے جو وطن کی ایک ایک چیز کو یاد کرتا ہے اور وطن سے آنے والے سے ان تمام چیزوں کے بارے میں دریافت کرتا ہے۔اختر شیرانی کی عمر کا زیادہ حصہ لاہور ہی میں گزرا اور وہیں مورخہ ۹/ستمبر ۱۹۴۸ء کو ان کا انتقال ہوا اور لاہور کے مشہور تاریخی قبرستان میانی صاحب میں ان کی تدفین ہوئی۔شیرانی صاحب کی والدۂ محترمہ انتقال تک انھی کے ساتھ رہیں اور شیرانی صاحب کو ایک سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے ان کی خدمت کے مواقع حاصل ہوئے۔ان کا انتقال دسمبر ۲۰۰۴ء کو شیخو پورہ میں ہوا تھا۔ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی مورخہ ۱۲/جون ۲۰۲۰ء کو شیخو پورہ ہوا اور اسی روز ان کی تدفین والدۂ محترمہ کے مرقد کے پہلو میں ہوئی اور یوں سعادت مند بیٹے کو بعد از وفات اپنی محترم ماں کے پہلو میں تدفین کی سعادت حاصل ہوئی۔

شیرانی صاحب نے مقالات حافظ محمود شیرانی کے ۱۰ جلدی منصوبے کے علاوہ ایک اور علمی منصوبے کو بڑی کامیابی سے مکمل کیا اور وہ بھی ریٹائر منٹ کے بعد۔یہ منصوبہ ''لغت جامع جی سی یو'' ہے۔اس عظیم علمی منصوبے پر شیرانی صاحب گزشتہ

۲۵ برسوں سے کام کر رہے تھے۔ یہ فارسی۔اردو لغت ہے اور اب تک شائع شدہ تین ضخیم جلدوں کو دیکھ کر ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کس قدر مشکل اور صبر آزما کام ہے۔اس لغت کی تیاری کی خاطر شیرانی صاحب نے فارسی کی معروف ''لغت نامہ دہخدا'' کے ایک ایک لفظ کو پڑھا تھا اور فارسی الفاظ و اصطلاحات کا اردو ترجمہ کیا تھا۔شاید یہ بات بہت سے قارئین کے علم میں نہ ہو کہ لغت نامہء دہخدا کل ۵۱ جلدوں پر مشتمل ہے۔لغت جامع جی سی یو کو شیرانی صاحب نے پانچ ضخیم جلدوں میں مکمل کیا تھا جن میں سے بقیہ دو جلدیں منتظرِ اشاعت ہیں۔ان کے دیگر زیرِ تکمیل علمی منصوبوں میں ''خطوط بنام حافظ محمود شیرانی''، ''خطوط حکیم سید محمود احمد برکاتی'' اور خاکوں کا تیسرا مجموعہ شامل ہیں۔ کچھ عرصہ قبل لاہور سے ان کی کہی تاریخوں پر مشتمل کتاب ''مجموعہ گلہائے تاریخ'' شائع ہوئی تھی جس کا ایک نسخہ انہوں نے راقم کو بھی ارسال کیا تھا۔

مختصراً ان کی کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی خدمات (۲ جلدیں)
۲۔بے نشانوں کا نشاں (خاکے)
۳۔کہاں سے لاؤں انہیں (خاکے)
۴۔مقالاتِ حافظ محمود شیرانی (۱۰ جلدیں)
۵۔مکاتیب حافظ محمود شیرانی
۶۔حافظ محمود شیرانی (کتابیات)
۷۔جادۂ نسیاں (خاکے) از حکیم سیّد محمود احمد برکاتی (مرتّبہ)
۸۔مشاہداتِ فرنگ از حکیم سیّد محمود احمد برکاتی (مرتّبہ)
۹۔منتخب مقالات از حکیم سیّد محمود احمد برکاتی (مرتّبہ)
۱۰۔مجموعہ گلہائے تاریخ
۱۱۔معربات رشیدی (مرتبہ)
۱۲۔لغتِ جامع جی سی یو (۵ جلدیں)
۱۳۔وہ کہاں گئے (خاکے زیرِ طبع)

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی زندگی کی ۸۵ بہاریں دیکھ کر اس فانی دنیا سے عالم بالا کا سفر اختیار کر چکے لیکن شیرانی صاحب کی شیریں یادیں ان سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہیں گی اور انہی خوش نصیب انسانوں میں راقم سطور بھی شامل ہے۔یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ شیرانی صاحب، ان کے والد اختر شیرانی اور ان کے دادا حافظ محمود شیرانی کی حیات کا زیادہ عرصہ لاہور میں گزرا لیکن اس شہرِ علم و ثقافت میں آخری آرام گاہ صرف اختر شیرانی کو نصیب ہوئی، حافظ صاحب کے مقدر میں ٹونک کی مٹی اور شیرانی صاحب کے مقدر میں شیخوپورہ کی مٹی لکھی تھی۔ تدفین خواہ کسی مقام پر ہوئی ہو، اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ

جانے والا کتنی خوبیوں کا مالک تھا اور بعد والوں کے دلوں میں کیا مقام بنا کر گیا۔اس حساب سے شیرانی صاحب خوش قسمت انسان تھے جو بے شمار انسانوں کے دلوں میں اپنی محبت ،شفقت، جذبہء خیر وخواہی و ہمدردی کی انمٹ یادیں چھوڑ گئے ۔انھی انسانوں میں عاجز راقم سطور بھی شامل ہے۔دعا ہے اللہ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آج وہ ہم میں نہیں لیکن بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ عالم بالا سے اپنے مخصوص انداز میں ہم سے یہ کہہ رہے ہوں:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

جیسا کہ اوپر ذکر آیا راقم ان خوش قسمت انسانوں میں شامل ہے جنھیں شیرانی صاحب سے نہ صرف ملاقاتوں کے مواقع حاصل ہوئے بلکہ شرفِ مکاتبت بھی حاصل ہوا۔ یہاں ہم ان کے پانچ عدد خطوط پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ وہ کس طرح ہم جیسے چھوٹوں سے نہ صرف علمی روابط برقرار رکھتے تھے بلکہ ہر ممکن علمی معاونت بھی کرتے اور علمی کاموں پر حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے:

(۱)

8-12-97

عزیز گرامی محمد راشد شیخ صاحب

سلام مسنون!

آپ کا ۷۔۹۷۔۱۲ کا تحریر کردہ گرامی نامہ مع محترم ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی صاحب[۶] کے مکتوب کی عکسی نقل کے موصول ہوا۔جی ہاں مجھے بزم اقبال میں آپ سے ملاقات بخوبی یاد ہے بلکہ میں نے کئی بار سوچا کہ اگر آپ کا پتہ ملے تو میں خطاطوں پر آپ کی تالیف کی اشاعت کے بارے میں معلوم کروں کہ یہ کب اور کہاں چھپ رہی ہے۔

آپ کے اس خط سے ایک روز قبل محبی ڈیسائی صاحب کا نامہ عالی بھی مجھے مل چکا تھا۔ان کو بھی آج ہی جواب تحریر کر رہا ہوں۔

برادرم خورشید احمد خان صاحب[۷] تو فروری ۱۹۹۷ء میں وفات پا گئے تھے۔دیسائی صاحب کو اس کا علم نہ ہو سکا تھا۔

جن دو کتابوں کے بارے میں ڈیسائی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔یعنی دیوان قاضی محمود دریائی اور ''گلستان'' ان کے بارے میں چند روز تک لاہور آ کر یونیورسٹی لائبریری سے معلوم کروں گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ لائبریری والے مخطوطات کے عکس نہیں دیتے مائکروفلم دیتے ہیں اور ان کی مائکروفلم تیار کرنے والی مشین کئی سال سے خراب پڑی ہے۔اس صورت میں اہل علم کو جو لاہور سے دور بیٹھے ہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔بہرحال میں اپنی سی کوشش کروں گا۔خدا کرے بارور ہو۔

جب آپ کی خطاطوں والی کتاب[۸] شائع ہو تو مہربانی فرما کر مجھے اس سے محروم نہ رکھئے گا۔میں اس کی کچھ جلدیں خرید کر ہندوستان (ٹونک) اور پاکستان میں اپنے دوستوں کو روانہ کروں گا۔

یونیورسٹی لائبریری سے رابطے کے بعد انشاء اللہ آپ کو مطلع کروں گا۔لیکن یہ چیزیں دیسائی صاحب کو بھیجنے کی کیا

صورت ہوگی؟ کیا ڈاک سے روانہ کردی جائیں یا کوئی جانے والا مل جائے گا۔

گجرات اردو اکیڈیمی گاندھی نگر نے بعض پرانی اردو کتابوں کے عکسی ایڈیشن شائع کئے ہیں۔ان میں سے بعض مجھے درکار ہیں۔کیا ان کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ باقی آیندہ

والسلام

آپکا مخلص

مظہر محمود شیرانی

(۲)

۱۳راگست ۹۹ء

عزیز گرامی راشد صاحب۔السلام علیکم

آپ کا ۵راگست کا تحریر کردہ گرامی نامہ ملا۔کل اور پرسوں تعطیل ہے۔انشا اللہ کتابوں کی قیمت مبلغ تین صد روپیہ ۱۶راگست کو بذریعۂ منی آرڈر ارسال کروں گا۔

۱۷راگست کو میں حسب معمول دو ہفتوں کے لئے کاغان اور سوات کے ٹور پر جار ہا ہوں۔اس لئے ان دنوں تو آپ سے ملاقات ممکن نہ ہوسکے گی۔اس کے بعد جب بھی آپ آئیں انشا اللہ ملاقات ہوگی۔[9] لیکن آنے سے قبل اطلاع ضرور دے دیجئے گا۔

کراچی اور حیدرآباد سے شائع ہونے والی کتابیں اکثر لاہور میں دستیاب نہیں ہوتیں۔بعض کتابوں کی ایک عرصہ سے تلاش ہے۔اب آپ نے لکھا ہے تو کچھ نام درج کئے دیتا ہوں۔ان میں سے جو مل سکیں ارسال کرنے کی زحمت کیجئے گا۔

سندھ یونیورسٹی کے مجلّہ تحقیق کے بعض شمارے میرے ایک دوست کو درکار ہیں وہ بھی درج کر رہا ہوں۔زحمت دہی کے لئے معذرت۔ان میں سے بعض کتابیں شائع ہوئے کئی برس ہوگئے ہیں۔اب یہ آپ کی ہمت پر منحصر ہے:

۱۔Aurangabad by Waheeda Naseem

۲۔دیدو باز دید از فرمان فتح پوری (مکتبۂ افکار کراچی)

۳۔پاکستان اور سری پرکاش از فرمان فتح پوری

۴۔تاریخ جھجر از مرزا بشارت علی (علی سنز ۵۴۶/۳ لیاقت آباد۔کراچی)

۵۔مثمر از سراج الدین علی خاں آرزو (اس کے دو نسخے درکار ہیں)

[یہ جامعہ کراچی کے ڈاکٹر ریاض الاسلام والے ادارے (۱۰) نے چھاپی ہے]

۶۔گرد راہ (خودنوشت) از اختر حسین رائے پوری

۷۔ہم سفر (خودنوشت) از بیگم حمیدہ اختر حسین

۸۔گنجینۂ گوھر از شاھد احمد دہلوی

۹۔ذکر علی گڑھ از ذاکر علی خاں

۱۰۔سلطان جی از ڈاکٹر محمد اسلم فرخی

۱۱۔''تحقیق'' (جامعہ سندھ) شمارہ نمبر ۷، ۸، ۹ اور ۱۰، ۱۱

باقی کچھ کتابیں انشاءاللہ آیندہ خط میں تحریر کروں گا۔

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

والسلام

آپکا مخلص

مظہر محمود شیرانی

پس نوشت: ڈاکٹر دیسائی صاحب کی تازہ کتاب نیز Mosques of India کے لئے کوشش جاری رکھئے۔

(۳)

۱۸/اگست ۲۰۰۰ء

عزیز گرامی محمد راشد شیخ صاحب! دعائیں!

آپ کا ۷/اگست کا مرقومہ مع دو کتابوں یعنی ''تاریخ جھجر'' اور ''حیرت انگیز اسلامی معلومات'' بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ موصول ہوا۔ابھی صرف منی آرڈر روانہ کیا تھا اور عریضہ تحریر نہ کر پایا تھا کہ کل ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ[۱۱] کے مکاتیب کے دونوں حصے مل گئے۔انشاءاللہ کل ان کی قیمت مع ڈاک خرچ کے ارسال کر دوں گا۔الحمدللہ کے محترم دیسائی صاحب کی خیریت معلوم ہوئی۔ مجھے ان کے اکسیڈنٹ کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ میں نے دہلی میں ایک عزیز کو لکھا ہے کہ وہ دیسائی صاحب کی کتاب جو مغربی ہندوستان کتبوں کی فہرست انگریزی زبان میں ہے تلاش کر کے بجھوا دیں۔دیکھیں کیا ہوتا ہے؟

حکیم محمود احمد برکاتی صاحب[۱۲] مغتنمات روزگار شخصیات میں سے ہیں اور ٹونک مرحوم کی اسلامی تہذیب کا شاید آخری نمونہ بھی۔خدا کا شکر ہے کہ آپ کی ان سے ملاقات ہوگئی۔آپ کو شاید یاد نہیں رہا میں نے اپنے ایک گزشتہ خط میں آپ سے عرض کیا تھا کہ میرے پاس بھی ایک کتاب کا مواد موجود ہے جو اشاعت کے قابل ہے اگر آپ توجہ فرمائیں تو مہربانی ہو گی۔میری مراد اس کتاب سے محترم حکیم صاحب کے تحریر کردہ خاکوں کا مجموعہ تھا۔میں آخری بار کراچی جانے پر حکیم صاحب سے ان کی غیر مطبوعہ تحریریں لے آیا تھا۔یہ تین قسم کی ہیں یعنی:

۱:(ا) طبی موضوعات پر مضامین

(ب) ہماری طبی تاریخ کے دلچسپ واقعات جو معلومات سے بھرپور ہیں اور ۲۔مختلف شخصیات پر حکیم صاحب کے تحریر کردہ خاکے۔

حکیم صاحب کی تحریریں شکستہ ہونے کے سبب سے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔میں نے ایک خوش خط دوست سے درخواست کر کے انہیں صاف کروایا ہے اس رعایت کے ساتھ کہ جوالفاظ آپ کی سمجھ میں نہ آئیں ان کی جگہ چھوڑ دیجئے۔وہ میں پُر کرنے کی کوشش کروں گا۔

یہ تینوں موضوعات مل جل کر کوئی ڈھائی تین سوصفحات پر مشتمل ہوں گے۔لیکن ابھی دو ماہ قبل جب حکیم صاحب میری درخواست پر والد مرحوم اختر شیرانی پر لکھے گئے اپنے مضمون پرنظر ثانی کر رہے تھے انہیں اپنے کاغذات میں بعض اہم شخصیات مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد،مولانا حسین مدنی وغیرہم پر لکھے گئے مضامین بھی دستیاب ہوئے۔میں نے ان سے درخواست کی ہے کہ ان کے عکس بھی مجھے بھجوا دیجے تا کہ شخصی خاکے ایک مجموعہ کی صورت میں آسکیں۔ہم دونوں نے اس کا نام''طاقِ نسیاں''تجویز کیا ہے۔حکیم صاحب کا فرمانا ہے کہ نقش اول ہونے کے باعث نئے دستیاب شدہ مضامین (جومیرے خیال میں چھ سات سے کیا کم ہونگے) کا پڑھنا زیادہ وقت طلب ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ کسی بہتر خط والے شخص سے انہیں صاف کروا کر روانہ کروں گا۔اب میں ان مضامین کا منتظر ہوں۔

مجھے اطلاع ملی ہے کہ آئندہ ماہ ستمبر کی ۹ر تاریخ کو کراچی میں ایک ادبی انجمن''یومِ اختر شیرانی''منارہی ہے۔اس صورت میں انشا اللہ میں ستمبر کے پہلے ہفتے میں اس اجلاس میں ایک مضمون پڑھنے کی غرض سے کراچی آؤں گا۔اگر حکیم صاحب حسب وعدہ تازہ ملنے والے مضامین اس وقت تک نہ بھیجیں تو میں ان سے مل کر یہ خاکے حاصل کرلوں گا پھر میرے پاس موجود خاکوں کے ساتھ ملا کر اور ترتیب دے کر اشاعت کے لئے یہ مجموعہ تیار ہو جائے گا۔میری تو دلی خواہش ہے کہ آپ ہی''ادارۂ علم وفن''کے زیرِ اہتمام یہ مجموعہ چھاپیں۔کراچی آنے کی صورت میں انشا اللہ میں اور آپ دونوں حکیم صاحب کی خدمت میں حاضری دیں گے اور بالمشافہ مضامین کی یکجائی اور اس کی تفصیل پر گفتگو کرلیں گے۔

آپ نے جن دو کتابوں کا پوچھا ہے ان میں سے میرے پاس تو کوئی نہیں۔البتہ میاں محمد شفیع[۱۳] والی کتاب میں نے پڑھی تھی۔شاید کالج کی لائبریری میں مل جائے۔دوسری''روداد مجاہدین ہند''از خواصی خاں میں نے کبھی نہیں دیکھی۔اس کے لئے مکتبہ رشیدیہ لاہور سے معلوم کرتا ہوں انشا اللہ آئندہ خط میں اس بارے میں اطلاع دوں گا۔کیا آپ خود حیدرآباد گئے تھے؟ اگر گئے تھے تو کیا حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ان کی صحت کا کیا حال ہے؟ کیا ملاقات کر لیتے ہیں؟

فقط

مظہرمحمود شیرانی

(۴)

۷۔مئی ۲۰۰۲ء

عزیز گرامی محمد راشد صاحب۔سلام مسنون

آپ کے تحریر کردہ ۲۳؍اور ۲۷؍اپریل کے خطوط مع کتاب ''دلی کی برادریاں'' موصول ہوئے۔

میرے خاکوں کی پسند کا بہت بہت شکریہ۔ دراصل میرے وہ تینوں خاکے جو ''فنون'' میں چھپے بہت ہی گم نام اشخاص پر ہیں۔ اسی لئے میں نے آپ کو نہیں بھیجے تھے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دلچسپی محض مشاہیر کے ساتھ ہے۔ دراصل ''فنون''، علمی سے زیادہ ادبی پرچہ ہے اور اس میں ادبی انداز کی تحریریں زیادہ پسند کی جاتی ہیں۔ میں نے آپ کو شاید ''یادگار اسلاف'' نامی خاکہ بھی (بصورت عکس) بھیجا تھا۔ یہ بھی میں نے محبی احمد ندیم قاسمی صاحب کو فنون کے لئے دیا تھا لیکن انہوں نے اس میں دینی اور تاریخی پہلو غالب ہونے کے باعث فنون کے بجائے ''صحیفہ'' میں چھاپ دیا۔ بہرحال اگر آپ فنون والے تینوں خاکے پڑھنا چاہیں اور یہ آپ کو کراچی میں آسانی سے دستیاب نہ ہوسکیں تو بلا تکلف مجھے لکھ دیجئے۔ میں تینوں کے عکس آپ کو روانہ کردوں گا۔ ممکن ہے یہ بھی آپ کو پسند آئیں۔

پچھلے دو ہفتے میں خاصا علیل رہا۔ ۱۹۶۵ء سے گردوں کی پتھریوں کا مریض ہوں۔ بیسیوں ہی نکل چکی ہیں، اس بار جو پتھری گردے سے نکل کر مثانے میں آئی وہ دیر تک اسی میں گردش کرتی رہی اور شاید اس اثنا میں ذرا بڑی ہوگئی۔ پھر اس نے نکلنے کی کوشش میں بڑی تکلیف دی۔ اتوار کے دن لاہور لے جایا گیا کیونکہ یہاں ڈاکٹروں نے آپریشن کا مشورہ دیا تھا۔ الحمدللہ کہ لاہور پہنچ کر بغیر آپریشن کے یہ شدید تکلیف محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بغیر آپریشن کے رفع ہوگئی۔ یہ تو خارج ہوگئی لیکن ابھی دو پتھریاں ایک گردے میں اور ایک دوسرے میں موجود ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ تکلیف نہیں دے رہی ہیں۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم[۱۴] پر کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں آپ نے ان کے جن دو مضامین کا ذکر کیا ہے، سوانٹرویو والی بات تو سمجھ میں آ گئی لیکن دوسرا مضمون ''آداب العربیۃ'' کی تیسری قسط آپ کہتے ہیں کہ اورینٹل کالج میگزین اگست ۱۹۲۰ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ اورینٹل کالج میگزین کا آغاز جہاں تک مجھے علم ہے ۱۹۲۱ء میں ہوا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں مضمون کیسے چھپا؟ پھر مولانا میمن مرحوم غالباً ۱۹۲۵ء میں اورینٹل کالج میں آئے تھے۔[۱۵] کیا مضمون پہلے چھپ چکا تھا؟ علاوہ ازیں ''اورینٹل کالج میگزین'' کی فہارس میں مولانا کے اس مضمون کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ بہرحال میں فی الحال لاہور کے ایک عربی کے فاضل دوست کو لکھ رہا ہوں یعنی ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب کو۔ ان کے مولانا میمنؒ سے تعلقات رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کے پاس یہ دونوں چیزیں موجود ہوں یا وہ ڈھونڈھ نکالیں۔ رضوی صاحب موصوف میرے عزیز دوست ہیں ۱۹۶۰ء میں ہم اورینٹل کالج میں پڑھتے اور ہوسٹل میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے نوشتہ خاکوں میں ایک مولانا میمن پر بھی لکھا ہے۔[۱۶] اس کا عکس آپ کے مطالعے کے لئے بھیج رہا ہوں۔

''ارمغان شیرانی''[۱۷] کی مجھے صرف ایک ہی کاپی ملی ہے باوجود اس کے کہ اس میں میرا مضمون بھی شامل ہے۔ میرا خیال ہے کہ محترم حکیم محمود برکاتی صاحب کو بھی ایک ہی نسخہ انہوں نے بھیجا ہوگا کیونکہ ان کا مضمون (''حکیم احسن اللہ خاں'' پر) بھی اس میں چھپا ہے۔ اب جب بھی لاہور جانا ہوا معلوم کروں گا کہ اس کی قیمت مبلغ ۲۰۰ روپے میں کتنی رعایت وہ لوگ دے سکتے ہیں۔ سردست اپنے مضمون کی عکسی نقل آپ کے ملاحظے کے لئے ارسال کرتا ہوں۔

ص۱۱۹: مولانا سید طلحہ[۱۸] والی عربی انگریزی لغت میں نے دیکھی ضرور ہے لیکن ٹھیک سے یاد نہیں کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیکھی ہے یا کہیں البتہ گمان غالب ہے کہ وہیں ہے۔علی میاں[۱۹] کا ان پر جو مضمون پرانے چراغ (جلد اول) میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس لغت پر جو ۱۹۳۸ء میں چھپی تھی سید طلحہ مرحوم کا نام نہیں دیا گیا حالانکہ اس کے آغاز میں ۳۲ صفحات پر مبنی فاضلانہ مقدمہ انہیں کا لکھا ہوا ہے۔

ص۱۲۷: امیر خاں پر انگریزی مقالے کا اردو ترجمہ جو ثروت علی خاں نے کیا ہے وہ انہوں نے خود ہی چھپوایا تھا۔اس کا ایک نسخہ انہوں نے مجھے ارسال کیا تھا حالانکہ میرا ان سے تعارف نہ تھا۔ان کے ایک عزیز محمد رشید خاں صاحب میرے دوست ہیں۔خط و کتابت بھی ہوتی ہے۔ان کو لکھوں گا۔دو ایک اور صاحبان نے بھی کہا تھا لیکن گزشتہ سال ڈیڑھ سال سے خطوں کا سلسلہ منقطع تھا۔اب اکتوبر میں ان کا خط ملا تھا۔میں نے جواب لکھا ہے۔آیندہ خط میں معلوم کروں گا۔

ص۱۲۸: (حاشیہ) ''ما آبروئے فقر وقناعت......روزی مقرراست''

اس ضمن میں یا تو ڈاکٹر اسرار صاحب کو تسامح ہوا یا آپ کے سننے میں غلطی ہوئی۔[۲۰] صورت حال یہ ہے کہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی سنہ ۱۵۳۷ء میں وفات پاتے ہیں اور نواب امیر خاں ۱۷۶۸ء میں پیدا ہوتے ہیں تو حضرت گنگوہی امیر خاں کو یہ شعر لکھ کر کیسے بھیج سکتے تھے۔بالفرض ڈاکٹر اسرار صاحب نے مولانا رشید احمد گنگوہی کہا ہو تو ان کی پیدائش ۱۸۲۹ء کی تھی اور جب وہ پانچ برس کے لگ بھگ ہوں گے تو امیر خاں وفات پاتے ہیں یعنی ۱۸۳۴ء میں۔

حقیقت یہ ہے کہ امیر خاں ۱۸۱۷ء میں باقاعدہ نواب بنتے ہیں۔ان دنوں دہلی میں شاہ غلام علی اور ان کی خانقاہ کا بڑا شہرہ تھا۔شاہ صاحب کی وفات اکتوبر ۱۸۲۴ء میں ہوتی ہے۔اسی سات سالہ عرصے یعنی ۱۸۱۷ء تا ۱۸۲۴ء کے درمیان یہ قصہ ہوا ہے۔سرسید احمد خاں نے ''تذکرۂ اہل دہلی'' (مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جونا گڈھ) اشاعت ثانی انجمن ترقی اردو، کراچی (۱۹۶۵ء) میں صاف لکھا ہے:

''ایک دفعہ نواب امیر الدولہ امیر محمد خاں [صحیح محمد امیر خاں] والیٔ ٹونک نے بہت التجا سے درخواست تقرر وظیفہ کی۔اس کے جواب میں آپ نے یہ شعر لکھ بھیجا:

ما آبرئے فقر وقناعت نمی بریم　　　با میر خاں بگوئے کہ روزی مقرراست'' (ص۲۶)

لیجئے آپ کے استفسارات تمام ہوئے۔

صادق قریشی مرحوم[۲۱] کا علامہ اسد پر مضمون نوائے وقت کی ہفتہ وار اشاعت خاص میں کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا۔میں نے بھی پڑھا تھا۔بڑا دلچسپ مضمون تھا۔کاش ان کے ورثا اس موضوع پر ان کی کتاب شائع کرنے کی صورت نکال سکیں۔قریشی صاحب مرحوم سے میری تو کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی تھی۔خورشید صاحب تو فون پر بھی طویل باتیں کرتے اور ایک دوسرے سے مشورے لیتے تھے۔

ایک بار میں اور خورشید صاحب پنجاب پبلک لائبریری میں داخل ہو رہے تھے تو صادق قریشی مرحوم نکلتے نظر

آئے۔ہم دونوں کو دیکھ کر گرم جوشی سے ملے اور بولے''آپ دونوں بڑے موقع پر آئے ۔میں نے عربی کی یہاں موجود تمام لغات کی کتابیں دیکھ ڈالی ہیں لیکن لفظ 'یوسف' کسی میں نہیں ملا۔''میں نے عرض کیا''جناب! یہ لفظ عربی ہے ہی نہیں تو کیسے ملے گا۔آپ کوئی عبرانی لغت دیکھئے یا پھر انگریزی قاموس اور دائرہ ہائے معارف میں joseph کی جستجو کیجئے۔''خوش ہو کر بولے واقعی یہ تو مجھے خیال ہی نہ آیا تھا۔

بہر حال اچھے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی یادیں اور باتیں بھی بڑا اثاثہ ہوتا ہے۔''مضامین ڈار'' کا تازہ ایڈیشن [۲۲] جس کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ مرحوم ڈیسائی صاحب نے لاہور کے ایک صاحب کے ہاتھ مجھے بھجوا دیا تھا۔لیکن اس میں پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہے۔

ڈیسائی صاحب پر میرا مضمون ابھی تک نہیں چھپا۔خواجہ صاحب [۲۳] نے ان کے فوٹو کی فرمائش کی تھی ۔میرے پاس ایک فوٹو تھا جو حافظ محمود شیرانی سیمینار دہلی میں مرحوم کی درخواست پر ان کے ساتھ بنوایا تھا۔وہی بھیج دیا ہے۔دیکھیں کب چھپتا ہے۔اللہ کرے آپ بہمہ وجود بخیر و عافیت ہوں۔

والسلام
آپکا مخلص
مظہر محمود شیرانی

(۵)

۲۵ فروری ۲۰۱۲ء

محترم شیخ صاحب! السلام علیکم

آپ کا نادر تحفہ یعنی علامہ عبدالعزیز میمنی کے موضوع پر آپ کی لاجواب کتاب [۲۴] موصول ہوئی۔حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس موضوع کا صحیح معنی میں حق ادا کر دیا ہے۔

ابھی تک میں نے نصف سے کچھ زیادہ کتاب پڑھی ہے۔سوچا تھا کہ پوری کتاب پڑھ کر خط لکھوں گا لیکن کتاب کی رسید کے طور پر زیادہ تاخیر کیے بغیر یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔پوری دیانتداری سے کہتا ہوں کہ شخصیات کے موضوع پر کام کرنے والے پی۔ایچ۔ڈی کے طالبان علم کو آپ کی کتاب بطور نمونہ پیش نظر رکھنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ آپ کو علم و ادب کی زیادہ سے زیادہ خدمت کے لیے عمر دراز اور توفیق ارزانی کرے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ میں ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم کی فرمائش پر ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی مرحوم کے اردو مضامین فراہم کر رہا تھا بلکہ آپ کی وساطت سے احمد آباد سے کئی مضمون بھی موصول ہوئے تھے۔پھر معلوم ہوا کہ بنارس یونیورسٹی کے پروفیسر حسن عباس یہ کام قریب قریب مکمل کر چکے ہیں اور مجموعہ شائع ہونے والا ہے۔معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ مجموعہ مقالات وہاں چھپ گیا ہے یا نہیں؟ [۲۵] آپ اگر کسی ذریعہ سے یہ معلوم کر کے مطلع کر دیں تو مہربانی ہوگی۔اللہ کرے آپ ہر طرح خیر و عافیت سے ہوں۔

والسلام

آپکامخلص

مظہرمحمودشیرانی

پس نوشت: محترم خورشید رضوی صاحب کو آپ کا سلام پہنچا دیا تھا۔وہ بھی سلام کہتے تھے۔کوئی ڈیڑھ ماہ سے ان کی طبیعت ناساز ہے۔دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا کرے اور سلامت با کرامت رکھے۔فقط

جیسا کہ اوپر ذکر آیا شیرانی صاحب کو شاعری سے بھی شغف تھا اور شاعری کی مشکل ترین صنف یعنی تاریخ گوئی میں انھیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ان کی آخری کتاب جو راقم کو موصول ہوئی یعنی ''مجموعہ گل ہائے تاریخ'' اسی موضوع پر ہے۔اس کتاب کا نام بھی تاریخی ہے جس سے کل اعداد ۱۴۴۱ برآمد ہوتے ہیں جو کتاب کا سال طباعت ہجری ہے۔اس کتاب میں شیرانی صاحب کے قلم سے فارسی اور اردو میں کہی کل ۱۰۶ تاریخیں محفوظ کر دی گئی ہیں۔جن معروف شخصیات کے انتقال پر انھوں نے تاریخیں کہیں ان میں سید امتیاز علی تاج، پروفیسر حمید احمد خاں، جسٹس ایس اے رحمٰن، پروفیسر سیّد وزیرالحسن عابدی، پیر حسام الدین راشدی، خطاط الملک حافظ محمد یوسف سدیدی، حکیم محمد سعید، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر ضیاءالدین دیسائی، مشفق خواجہ، ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان، مشتاق احمد یوسفی، ڈاکٹر جمیل جالبی و دیگر شخصیات شامل ہیں۔یہاں بطور نمونہ ہم ان میں سے دو اہل علم کے انتقال پر کہی تاریخیں درج کرتے ہیں جن میں سے پہلے شیرانی صاحب کے استاد اور فارسی زبان کے بےمثل عالم پروفیسر سیّد وزیرالحسن عابدی (وفات: ۲۹ر جون ۱۹۷۹ء لاہور) کی تاریخ اور دوسری پاکستان کے نامور ہفت زبان عالم اور محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (وفات: ۶ر اپریل ۲۰۱۱ء حیدرآباد، سندھ) کے انتقال پر کہی تاریخ ہے۔بلوچ صاحب کے انتقال پر کہی تاریخ انھوں نے راقم کی گزارش پر کہی اور تحریری شکل میں راقم کو ارسال کی تھی:

آہ سیّد وزیرالحسن عابدی

رخت بر بست زیں عالم رنگ و بو

فاضلِ بے بدل خلقِ او بے مثل

مشک بیز و سمن بار در گفتگو

مرقدش باد روشن ز انوارِ حق

رحمت بے کراں باد بر خاک او

بہر تاریخ ایں رحلت غم فزا

سر بزانو شدم تا کنم جستجو

ہاتفِ غیب ''آہے'' کشید و بگفت

آہ=۶

''رہگرائے بہشت بریں'' سال او

۱۴۰۵-۶=۱۳۹۹ھ

چو ایں خبر دی بگوشم رسید
شدہ عقل زائل و ہوشم پرید
کہ دکتر نبی بخش خانِ بلوچ
ازیں دار فانی بکر دست کوچ
زہے مردِ دانا خلیق و متیں
کہ در علم و دانش ندارد قریں
خوشا مہدیِ میمن عبدالعزیز
بعقل و شعور و ذکا و تمیز
''رفیع المعانی ،وسیع الجہات
عمیق المسائل ،دقیق النکات
عمیم الولا و فقید العناد
شفیق البرایا، رفیق العباد''
بتانِ دروغ و ریا را خلیل
محیط الروایت، محاط الدلیل
دریغا رواں شد بہ دارِ بقا
بس آثار بگذاشتہ در قفا
چو اور زیرک و صاحب ہوش و فر
نیابد جہاں صد بہار دگر
صد افسوس رفت از جہاں بر کشید
حق آنست کہ بود فردِ فرید
الٰہی بہ پیشِ تو ماجور باد
روانش بہ فردوس و مسرور باد
بدیں سانحہ دل گرفتہ بُدم

پے فکر تاریخ غلطاں شدم
ندا کرد ہاتف ''بآہے'' چنیں

بآہے=۱۸

''نبی بخش ساکن بہ خلدِ بریں''

۱۹۹۳+۱۸=۲۰۱۱ء

حوالہ جات

۱ ملاحظہ فرمائیں ''کہاں سے لاؤں انھیں''، ازمظہر محمود شیرانی، القا پبلی کیشنز لاہور، اشاعت اول ۲۰۱۱ء،ص ۱۸۱۔

۲ ''کہاں سے لاؤں انھیں''، ازمظہر محمود شیرانی، القا پبلی کیشنز لاہور، اشاعت اول، ۲۰۱۱ء

۳ دیکھیے: ماہنامہ قومی زبان کراچی، اگست ۲۰۰۰ء۔

۴ ''بے نشانوں کا نشان''، ازمظہر محمود شیرانی، اساطیر لاہور، اشاعت اول، جنوری ۲۰۰۶ء

۵ حافظ محمود شیرانی کے کئی نامور تلامذہ میں سے ایک پروفیسر محمد ابراہیم ڈار بھی تھے جن کی زندگی کا زیادہ وقت بمبئی اور احمد آباد میں گزرا۔ ماضی قریب کے نامور کتبہ شناس اور محقق ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی (وفات: ۲۴؍مارچ ۲۰۰۲ء، احمد آباد) ڈار صاحب کے نامور شاگرد اور داماد تھے۔ دیسائی صاحب نے مورخہ ۵؍اپریل ۱۹۸۲ء کے مکتوبہ خط بنام شیرانی صاحب میں حافظ محمود شیرانی کی آخری آرام گاہ سے متعلق یہ سطور احمد آباد سے لکھی تھیں:

''آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ زندگی کی ایک تمنا ماہ گزشتہ میں پوری ہوئی۔ اپنے استاذ کے استاذ کو دیکھنا تو قسمت میں نہ تھا لیکن یہ بھی حسرت دل میں رہ جاتی کہ وہ مقام جہاں وہ رہے اور بالآخر آسودۂ خاکِ ابدی ہوئے اس کی زیارت سے بھی کہیں محرومی نہ ہو اور یہ حسرت حسرت ہی رہ جائے۔ الحمدللہ مارچ کی بائیس کی صبح، خدا مولانا جناب عمران خان صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی معیت میں، ان کی اور شوکت صاحب کی وساطت سے مہیا کی گئی سواری پر جا کر اس تمنا کو بھی پورا کیا اور مرحوم کے مزار پر جا کر حاضری اور فاتحہ خوانی کے فرائض اپنے اور اپنے استاد کی جانب سے ادا کر کے سعادت مندی حاصل کی۔ واللہ کیا پرفضا مقام ہے، مرحوم کو دنیا ان کی تحریروں سے تو غالباً ایک خشک طبیعت انسان کی صورت میں جانتی ہوگی لیکن انھوں نے اپنی بود و باش اور آخری آرام گاہ کے لیے جو مقام پسند فرمایا وہ واقعی نہایت ہی زندہ دل اور مناظر فطرت کے شیدائی کا ہی حصہ تھا۔ دریا کے کنارے اور باغات کے درمیان وہ آسودۂ خواب ابدی ہیں اور کس مزے سے۔ طبیعت کو وہاں

حاضری دے کر جوسکون اور اطمینان ہوا وہ بیان سے بالا ہے۔فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔''
دراصل حافظ صاحب نے لاہور سے ٹونک منتقل ہونے کے بعد اسی باغ میں بود و باش اختیار کی تھی جس کا ذکر مذکورہ بالا خط میں ہے۔

۶۔ ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی، نامور مورخ، کتبہ شناس اور ماہر مسکوکات اور ماہر فارسی اردو انگریزی تھے۔ماضی قریب میں ان سے زیادہ کتبہ شناسی کے موضوع پر کسی اور شخصیت نے تحقیق نہ کی اور نہ کسی نے اس موضوع پر ان سے زیادہ لکھا۔دیسائی صاحب سابق ڈائرکٹر اپی گرافی کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ریٹائرمنٹ کے بعد ان کا قیام احمد آباد میں رہا۔ ڈاکٹر شیرانی صاحب نے ان کے انتقال کے بعد دیسائی صاحب کے بارے میں''ضیائے علم ودیں'' کے عنوان سے بڑا معلومات افزا مضمون لکھا تھا جو ان کی کتاب''کہاں سے لاؤں انھیں'' میں شامل ہے۔

۷۔ خورشید احمد خان، شیرانی صاحب کے قریبی عزیز اور مکتبۂ حسن سہیل اردو بازار کے مالک۔ان کا انتقال مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۹۷ء کو لاہور میں ہوا۔

۸۔ راقم الحروف کی تالیف''تذکرۂ خطاطین'' جس کی اشاعت اول ۱۹۹۸ء میں اور اسّی صفحات کے مفید اضافات کے بعد اشاعت ثانی ۲۰۰۸ء میں ہوئی۔

۹۔ راقم الحروف ان دنوں بغرض تعلیم لاہور میں مقیم تھا۔بذریعہ خط شیرانی صاحب کو مطلع کیا تھا کہ لاہور سے شیخوپورہ ان سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

۱۰۔ یعنی Institute of South and West Asian Studies, University of Karachi

۱۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، سابق صدر شعبہ ء اردو سندھ یونیورسٹی اور سلسلہ ءنقشبندیہ کے بلند پایہ شیخ طریقت تھے۔ پیدائش:۲۳ر ستمبر۱۹۱۲ء جبلپور۔وفات:۲۵ر دسمبر۲۰۰۵ء، حیدرآباد سندھ۔

۱۲۔ حکیم سیّد محمود احمد برکاتی، نامور طبیب، مصنف، محقق اور گہرا علمی اور تحقیقی ذوق رکھنے والے بزرگ تھے۔وفات: ۹ر جنوری ۲۰۱۳ء کراچی۔

۱۳۔ یعنی''پہلی جنگِ آزادی'' از محمد شفیع۔یہ کتاب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بارے میں ہے۔

۱۴۔ علامہ عبدالعزیز میمن، عربی زبان وادب کے نامور محقق، مصنف اور سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و کراچی یونیورسٹی۔پیدائش: گونڈل جوناگڑھ ۱۸۸۸ء۔وفات:۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کراچی۔

۱۵۔ شیرانی صاحب کی تحریر کا پہلا جز درست ہے یعنی علامہ میمن کا یہ مضمون اورینٹل کالج میگزین میں نہیں بلکہ ماہنامہ مخزن لاہور میں شائع ہوا تھا۔البتہ یہ تصحیح ضروری ہے کہ علامہ میمن ۱۹۲۵ء میں نہیں بلکہ ۱۹۲۰ء میں ایڈورڈز کالج پشاور سے اورینٹل کالج لاہور بحیثیت استاد عربی پہنچ چکے تھے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں راقم کی تالیف''علامہ عبدالعزیز میمن۔سوانح اور علمی خدمات''، قرطاس کراچی، ۲۰۱۲ء

۱۶۔ دیکھیے''بازدید'' از خورشید رضوی، القا پبلی کیشنز لاہور، اشاعت ۲۰۱۷ء، ص ۵۹

۱۷ ارمغانِ شیرانی، مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی و ڈاکٹر زاہد منیر عامر، شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۲۰۰۲ء

۱۸ مولانا سیّد طلحہ حسنی، سابق استاد عربی اورینٹل کالج لاہور اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے پھوپھا تھے۔ پیدائش: ۱۸۹۰ء ٹونک۔ وفات: ۲۵ر ستمبر ۱۹۷۰ء کراچی

۱۹ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، عالم اسلام کی جیّد دینی اور علمی شخصیت اور کئی کتابوں کے مصنف اور سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، پیدائش: ۱۹۱۴ء۔ وفات: ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء رائے بریلی۔

۲۰ راقم نے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی ایک تقریر میں یہ بات سنی تھی۔ اس کی تصدیق اور حقیقت جاننے کے لیے شیرانی صاحب سے درخواست کی تھی۔

۲۱ صادق قریشی، ماہر زراعت اور سابق مدیر ماہنامہ جدید زراعت لاہور۔ انھوں نے قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد علامہ محمد اسد کے ساتھ کام کیا تھا اور ان کا علامہ اسد سے وابستہ یادوں پر مشتمل مفید سلسلۂ مضامین ''علامہ اسد کی یاد میں'' روز نامہ نوائے وقت کے سنڈے میگزین کی متعدد اشاعتوں میں شائع ہوا تھا۔ راقم الحروف کا ان سے فون پر اور بذریعہ مکاتبت رابطہ تھا۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ یہ تمام اقساط مع اضافات کتابی شکل میں شائع ہو جائیں لیکن یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ صادق قریشی مرحوم کا انتقال مورخہ یکم فروری ۱۹۹۶ء کو لاہور میں ہوا۔

۲۲ یہاں شیرانی صاحب نے مضامین ڈار کے جس ایڈیشن کا ذکر کیا وہ گجرات اردو اکادمی احمد آباد نے شائع کیا تھا، اس سے قبل اس کتاب کا اولین ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں ''مضامینِ ڈار'' کا مفید اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۷ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا جسے پروفیسر افضل حق قرشی صاحب نے مرتب کیا۔

۲۳ یعنی اردو کے نامور محقق مشفق خواجہ مرحوم۔ وفات: ۲۱ر فروری ۲۰۰۵ء کراچی

۲۴ یعنی راقم کی تالیف ''علامہ عبدالعزیز میمن۔ سوانح اور علمی خدمات''

۲۵ اب تک اس ایڈیشن کی اشاعت کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی۔